پاکستان

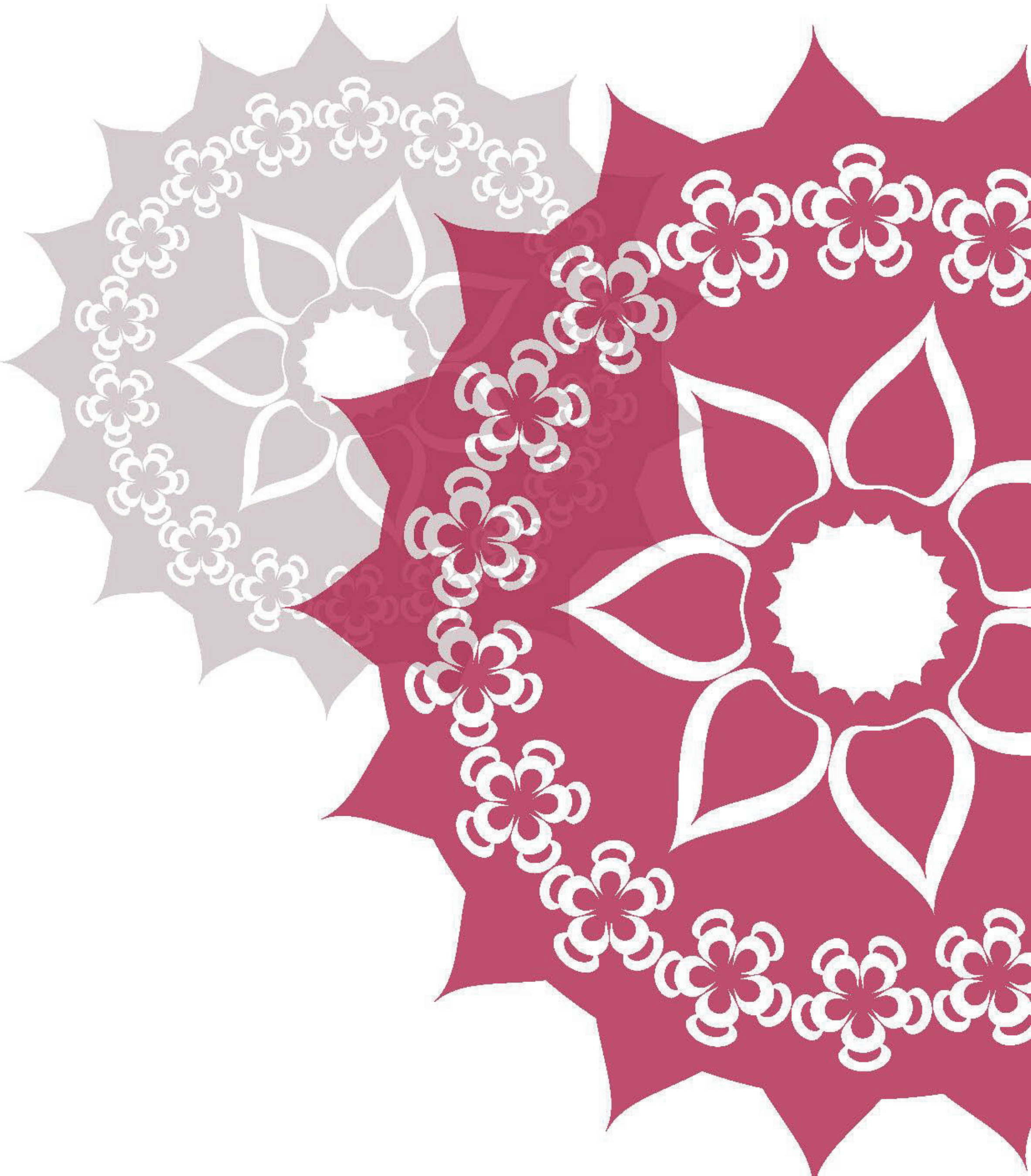

”جہاں میں خود اپنی پہچان ہوں“

تشدد اور امتیازی سلوک کے تجربات

”O“ پاکستان

Organization for the Protection and Propagation of the Rights of Sexual Minorities

مندرجات

تعارف 2

انٹرویو دینے والے افراد کی آبادیات 3

ملک کی سیاق وسباق 4

تشدد کی توضیحات 5

جسمانی تشدد 8

مونیکا 13

شاہین 14

تشدد کے اثرات اور اس سے نمٹنے کے طریقے 15

ایل بی ٹی افراد پر اثرانداز ہونے والے قوانین 16

تجاویز/سفارشات 18

ضمیمہ الف: اصطلاحات کی لغت 20

تعارف

"O" پاکستان کے ممبران نے دسمبر 2010 سے مارچ 2012 تک 50 افراد سے انٹرویوز لئے، جن میں سے 41 کا تعلق ایل، بی، ٹی (ہم جنس پسند خواتین، دوجنسہ اور خواجہ سرا) سے تھا جبکہ 9 کا تعلق صحافت، قانون، تعلیم اور سماجی شعبوں سے تھا۔

چونکہ ہمارا تعلق بھی اُسی گروہ سے ہے، اسلئے انٹرویوز کے لئے افراد کی شناخت کا طریقہ کار لوگوں تک آسان اور محفوظ رسائی پر منحصر اور مبنی تھا۔ کیونکہ اسطرح سے باہر نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا خاص طور پر جب انٹرویوز دینے والوں میں زیادہ تعداد دوستوں اور جان پہچان کے لوگوں کی ہو۔ پہلے مرحلے میں انٹرویوز دینے والے بھی دوست اور واقفیت رکھنے والے افراد ہی تھے۔

Snowball sampling* کا طریقہ استعمال کرتے ہوئے، ہم نے اپنے جاننے والوں سے گزارش کی کہ وہ ہمیں ایسے لوگوں سے متعارف کرائیں جن کو وہ ذاتی طور پہ جانتے ہوں۔ باوجود اس کے کہ ہمارے دوست اس تحقیق میں ہماری معاونت کر رہے تھے، پھر بھی اس طریقہ کار کا محدود یا کم فائدہ ہوا۔ کئی ایسے افراد جو انٹرویو دے سکتے تھے لیکن یا تو وہ ڈر کی وجہ سے یا پھر اس تحقیق کا 'تشدد' جیسے موضوع پر مبنی ہونے کی وجہ سے انٹرویو نہ دے سکے۔

وسائل کی کمی کی وجہ سے لئے گئے 50 انٹرویوز کا اردو سے انگلش میں ترجمہ نہیں ہو سکا اس لئے یہ باب صرف 23 انٹرویوز سے ماخوذ معلومات پر مبنی ہے۔ ہمیں بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ وہ انٹرویوز جن کا ترجمہ نہ ہو سکا، ان میں زیادہ تر تعداد خواجہ سرأ سے لئے گئے انٹرویوز کی تھی۔

تاہم، پھر بھی ہمارے تجزیے میں خواجہ سرأ سے لئے گئے کچھ ایسے انٹرویوز شامل ہیں تا کہ ان کے زندگی کے مشاہدات بھی اس باب کا حصہ بنیں۔

تحقیق کے اصولوں کی پابندیوں کو سامنے رکھتے ہوئے، ہمارا اس تحقیق کے لئے سامپل (sample، نمونہ) بنانے کا طریقہ کار تعصب پر مبنی ہے جو اس تحقیق کے نتائج پر کافی حد تک اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لئے، ہمیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ زندگیوں کے وہ مشاہدات جس پر اس باب میں دیئے گئے معلومات کا انحصار ہے، وہ کسی حوالے سے پاکستان میں بسنے والے تمام ایل جی بی ٹی افراد کے زندگی کے مشاہدات کی نمائندہ نہیں ہیں۔

بہر حال، یہ بلکل واضح ہے کہ حقوق کے خلاف ورزیوں کا ان لوگوں پر زیادہ منفی اثر ہوتا ہے جن کا سہی جگہوں پر تعلق نہیں ہے، جن کے پاس وسائل کی کمی ہے اور یا کوئی اور کمزوری ہے۔ لیکن جب بدسلوکی اور تفریق کی بات آتی ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری تحقیق محض برف کی چٹان کی نوک کے مانند ہے*۔ ہمیں کوئی شک نہیں ہے کہ پاکستان میں بہت سے ہم جنس پسند خواتین، دو جنسی افراد اور خواجہ سرا وغیرہ ایک خوف و اضطراب میں اپنی زندگیاں بسر کر رہے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ تحقیق درپیش حالات میں مثبت تبدیلی لانے میں اپنا کردار ادا کرے گی، چاہے وہ تبدیلی کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو۔

انٹرویو دینے والے افراد کی آبادیات

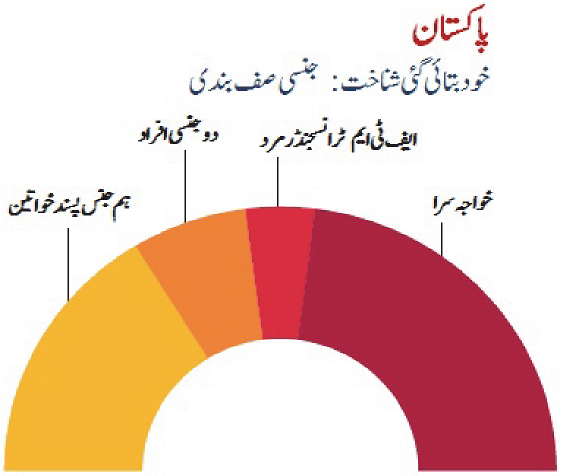

ہم جنس پسند خواتین، دوجنسہ افراد اور خواجہ سرا[1] کے 41 انٹرویوز میں سے 12 افراد نے اپنی شناخت ہم جنس پسند خواتین، 5 دوجنسہ خواتین، 3 دو جنسہ مرد جنھوں نے اپنا جنس عورت سے مرد میں تبدیل کرایا ہوا تھا (FTM) جس میں سے ایک اپنے آپ کی FTM اور ہم جنس پسند خاتون کے طور پر شناخت کر رہی تھیں، اور 17 افراد نے اپنی شناخت خواجہ سرا کے طور پر کی۔[3] افراد نے کسی بھی شناخت کی درجہ بندی میں مسنوب ہونے سے گریز کیا، اور 2 افراد نے مختلف قسم کے جنسی شناخت کی درجہ بندیوں سے اپنے آپ کو منسوب کیا۔

زیادہ تر (Cisgender) وہ جنسی شناخت اور جنسی اظہار جو کہ پیدائش کے وقت کے قدرتی جنس سے مطابقت اور موافقت رکھتی ہے ہم جنس پسند خواتین اور دوجنسہ خواتین جن سے ہم نے انٹرویو لئے، ان کا تعلق لاہور سے تھا جو کہ ہمارے ہی وسیع اور پھیلے ہوئے نیٹ ورک سے چنے گئے تھے۔ جن افراد کا انٹرویو لیا گیا اُن میں سے ایک کا اسلام آباد سے، ایک کا ملتان سے اور تین کا تعلق کراچی سے تھا۔ یہ تین وہ شہر ہیں جہاں پہ ہماری موجودگی بہت کم ہے اور اسی لئے ہم لاہور کی طرح ان تین شہروں میں اعتبار کے دیرپا روابط نہیں بنا سکے، جو ہمارے مقصد کے حصول میں فائدہ مند ثابت ہوتی۔

انٹرویوز دینے والے تین FTM (مرد جنھوں نے اپنا جنس عورت سے مرد میں تبدیل کرایا ہوا ہوتا ہے) کا تعلق مختلف بیک گراؤنڈ سے تھا۔ ایک ہم جنس پسند خاتون جوین (Joan) جسکا تعلق ورکنگ کلاس عیسائی خاندان سے ہے۔ عمر جو کہ کراچی کے ایک مڈل کلاس مسلمان اسماعیلی خاندان سے تعلق رکھتا ہے اور امریکہ (United States) میں مستقل سکونت اختیار کی ہوئی ہے لیکن پھر بھی اپنا زیادہ تر وقت کراچی میں گزارتا ہے۔ میری (Mari) اپنی شناخت دوجنسہ کے طور پر کرتی ہے اور ایک

---

[1] خواجہ سرا سے مراد وہ افراد ہیں جو جسمانی طور پر تو مرد ہوتے ہیں مگر کردار اور جزبات کے اظہار کے حوالے سے اپنی شناخت عورت / زن صنف کے طور پر کرتے ہیں۔

عورت کی زندگی بسر کرتی ہیں، میری لاہور کے ایک مڈل کلاس مسلم خاندان سے ہے اور اچھے آمدنی کی ملازمت پہ مامور ہیں۔

کئی خواجہ سرا جن سے ہم نے انٹرویوز لئے، ان تک ہم اُن کے گرو(Guru-خواجہ سرا گروہوں کے لیڈر) کے ذریعے پہنچے۔ جن کا تعلق کراچی اور لاہور کے دو مختلف ڈیروں یا گھرانوں سے تھا۔ کچھ باہمی واقفیت سے ہم گرو سے بات کرنے میں کامیاب ہوئے اور ان کو اپنے تحقیق کے بارے میں بتایا۔ ہر گرو نے ہمارے تحقیق کو قابل غور سمجھا اور پھر ہمیں ان کے چیلوں یا مریدوں سے ملنے کی اجازت ملی۔ گرو(Guru) نے یہ بھی درخواست کی کہ چونکہ ہم ان کے چیلوں سے وقت لے رہے ہیں اسلئے انکے وقت کے عوض چیلوں کو کچھ معاوضہ ملے، ہم نے ویسا ہی کیا۔

پاکستان

LBT افراد کے مقامات انٹرویو

اگرچہ، اس تحقیق میں دو ہم جنس پسند خواتین، ایک دوجنسہ خاتون اور ایک خواجہ سرا عیسائی برادری کی نمائندگی کر رہے تھے مگر انٹرویو دینے والے زیادہ تر افراد مسلمان تھے۔ پاکستان کی 98 فیصد آبادی مسلمان ہے۔ زیادہ تر مذہبی گروہ تنگ نظر ہیں، اسی لئے دوسرے مذہبی اقلیتوں کو تشدد اور زیادتی جیسے مسائل کا سامنا مسلم اکثریت کی وجہ سے کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ ہم متوسط طبقے اور بالائی طبقے یا سماجی اشرافیہ (مڈل اور اَپر مڈل کلاس) سے ہیں جن میں سے زیادہ تر افراد مسلمان ہیں، اسلئے اوپر بتائے گئے عناصر مذہبی اور طبقاتی حدود تک رسائی میں رکاوٹ کا سبب بنیں[2]۔

Snowball sampling کے نتیجے میں ہم نے انٹرویوز کی لئے جو افراد اور ان کے بتائے گئے گھبراہٹیں اکٹھا کئے، ہمیں اس دوران اپنے سامپل کو کسی حد تک سماجی درجہ بندیوں (class dynamics) کے حساب سے مڑنا پڑا۔ تمام نہیں مگر زیادہ تر ہم جنس پسند خواتین اور دوجنسہ خواتین کا تعلق مڈل کلاس (متوسط طبقہ) یا اَپر مڈل کلاس سے تھا اور وہ ہم سے انگریزی یا اردو اور انگریزی کے باہم استعمال کرتے ہوئے گفتگو کرنے میں زیادہ خوش تھے۔ تمام خواجہ سرا کا تعلق لور مڈل کلاس یا پھر ورکنگ کلاس سے تھا، اسی لئے اُن کے زیادہ تر انٹرویوز بنیادی طور پر اردو زبان میں، جبکہ کچھ پنجابی اور اردو کا باہمی استعمال کرتے ہوئے لئے گئے۔

ملک کی سیاق وسباق

اب جب کہ پاکستان کو عالمی دہشتگردی، خواتین کے جذبات کا مخالف، بنیاد پرستی اور انتہاپسندی کا اڈہ تصور کیا جارہاہے، حقیقت تو یہ ہے کہ پاکستان کے حالات اس سے کئی پیچیدہ ہیں۔ لیکن جہاں پر مذہبی انتہاپسندی اور تشدد ہو اور مقامی، قومی یا بین اقوامی طاقتیں امتیازی سلوک اور عدم

---

[2] ”بدامنی میں پاکستانی عیسائیوں کی ہلاکت“ بی بی سی نیوز، 2 اگست، 2009، جسکو 23 مارچ 2013 میں رسائی حاصل کی گئی، http://news.bbc.co.uk/2/hi/south_asia/8179823.stm

رابیہ محمود، “100 سے زیادہ احمدی قبروں کے لاہور میں بے حرمتی کی گئی“ The Express Tribune, http://tribune.com.pk/story/474468/over-100-ahmadi-graves-desecrated-in-lahore/

مساوات کو ایندھن کا کام کر رہے ہوں، وہاں ایسے نامناسب حالات سے براہ راست متاثر ہونے والے لوگوں میں مزاحمت، اتحاد اور معاشرتی یکجہتی پیدا ہوتی۔

جو پاکستانی تناظر کو پیچیدہ اور گھمبیر بناتی ہیں وہ اس کے انتظامی ڈھانچے کے جڑوں تک پہنچے ہوئے مسائل کا وہ مرکب ہے جو کہ اکثر ایک دوسرے سے متصادم ہوتے ہیں اور عام پاکستانیوں کو مختلف سمتوں میں کھینچتے ہیں۔ ان مسائل میں سب سے پہلے حکومت اور عوام کے اندر ایک بڑھتی ہوئی اسلامی (مذہبی) جذبات ہیں جس کو 1980 کی دہائی اور ڈکٹیٹر ضیاء ضیاء الحق کے دور میں فروغ ملا۔ 1977 میں ضیاء نے میں مارشل لاء نافذ کی اور اپنے گیارہ سالہ دور حکومت کا آغاز کیا۔ اپنے دور میں ضیاء "اسلامائزیشن" کے نام پر کئی ایسے رجعت پسندانہ قوانین لے آئے جس میں سے بعض قوانین نے واضح طور پر خواتین کے مساوات کو محدود کیا اور چند قوانین نے خواتین کے تصور کو غیر اخلاقی تصور کے طور پر فروغ دیا۔ ان تمام قوانین میں سب سے زیادہ بدنام زنا بل جبر کا قانون "حدود آرڈیننس" تھا جس کے تحت زنا بل جبر کو ثابت کرنے کے لئے چار مرد گواہ درکار تھے۔ قانون اور قانونی ادارے عمومی رائج جنسی اقدار کو اس مفروضے کے ساتھ نافذ کرتے ہیں کہ تمام خواتین دگر جنسی (جنسِ مخالف کی طرَف راغب ہونا) ہیں، مردوں پر انحصار کرتے ہیں اور اپنی جنسی خواہشات کا اظہار بلکل نہیں کرتے (مزید معلومات کے لئے اس باب کا "قانونی پس منظر" والا حصہ پڑھیں)۔

یہ اقدار پولیس اور دوسرے ریاستی اداروں نے رائج/نافذ کئے ہیں، جس سے ایسے حالات بن جاتے ہیں کہ جس میں ہم جنس پسند خواتین اور کسی جنس سے مطابقت نہ رکھنے والے خواتین نہ تو اپنے خیالات کا آزادانہ اظہار کر سکتے ہیں اور نہ ہی بے خوف و خطر اپنی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ امریکہ کے دہشت گردی کے خلاف جنگ اور پاکستان کے شمال مغربی حصے[3] میں پاکستانیوں پر ڈرون حملوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے امریکہ مخالف جذبات کو اگر ہم اسکے ساتھ جوڑیں۔ تو یہ دونوں ایسے حالات پیدا کرتے ہیں کی جس کی وجہ سے انسانی حقوق کے محافظ اپنے کام میں کئی رکاوٹوں کا سامنہ کرتے ہیں جس میں سب سے اہم رکاوٹ اور تشویش ان لوگوں کی حفاظت اور سلامتی ہے جن کے لئے وہ (انسانی حقوق کے محافظ) چاہتے بہتر ہیں۔

تشدد کی توضیحات

سب سے زیادہ وسیع پیمانے پر رپورٹ کیا گیا تشدد جذباتی تشدد ہے، جو سڑک پر بیہودہ گالیوں سے لے کر شدید تذلیل اور گھر میں نفسیاتی تشدد تک پھیلا ہوتا ہے۔ تاہم، جہاں جسمانی اور جنسی تشدد کو رپورٹ کیا گیا، تشدد وہاں شدید اور بدترین شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ہم نے تین قسم کے تشدد یعنی جنسی، جسمانی اور نفسیاتی تشدد، جن کا لوگ مقابلہ کرتے ہیں، کو نمایاں کرنے کا انتخاب کیا۔ زیادہ تر تشدد جس کا ایل بی ٹی افراد اپنی کمیونٹی میں مقابلہ کرتے ہیں وہ اداراتی (institutional) اور ساختی (structural) تشدد کا عکس ہے۔ مزید، ریاستی ادارے اکثر تشدد کو ایل بی ٹی افراد کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور جرائم پیشہ افراد سے ایل بی ٹی افراد کو محفوظ رکھنے میں ناکام ہوتی ہے۔ اس طرح کی صورت حال جرائم پیشہ افراد کو کھلی آزادی دے دیتی ہے اور معاشرے کے عام لوگ بھی اپنی تشدد اور امتیازی سلوک کو ان لوگوں کے خلاف جائز سمجھنے لگتے ہیں جو عمومی رائج جنسی اقدار سے مطابقت نہیں رکھتے۔

---

[3] مظاہرے: "ماضی کے 5 سالوں میں 230 ڈرون حملے کئے گئے،" ایکسپریس ٹریبیون 5 مارچ 2013

، جسے 23 مارچ 2013 کو رسائی حاصل کی گئی۔

http://tribune.com.pk/story/515831/demonstration-230-drone-strikes-carried-out-in-past-five-years. Joshua Hersh

"حنا ربانی کھر، پاکستانی وزیرِ خارجہ: امریکہ مخالف جذبات کی سب سے بڑی وجہ ڈرون حملے ہیں،" ہفنگٹن پوسٹ، 28 ستمبر 2012،

http://www.huffingtonpost.com/2012/09/28/hina-rabbanikhar-drones_n_1922637.html

جذباتی تشدد

انٹرویو دینے والے تمام افراد نے کئی طرح کے جذباتی تشدد کے بارے میں بتایا۔ ایک ہم جنس پسند خاتون اور دو جنسی خاتون کے معاملے میں عموماً جذباتی تشدد اور بدسلوکی اس کا عورت ہونے کی وجہ سے ہوتی تھی۔ وہ زن بیزاری کے سلوک کے زیر اثر تھے، اور انہوں نے ایسے لاپرواہی اور افعال کا سامنا کیا جس نے ان کے وجود، خواہشات اور اختیار کو نمایاں ختم کیا/پوشیدہ کیا۔ وہ ہم جنس پسند خواتین جن سے ہم نے بات کی انہوں نے نفسیاتی، جذباتی اور اقتصادی لاپرواہی جیسے مظالم (جس میں اقتصادی کنٹرول کے رویے شامل ہیں) کے ساتھ ساتھ جذباتی اور جسمانی تشدد کو بھی رپورٹ کیا۔ جس میں جذباتی تشدد سب سے زیادہ استعمال میں لایا گیا تشدد بتایا گیا۔ جیسی کہ پیٹریشیا (Patricia) نے بتایا:[4]

"مجھے گھر میں فروگزاشت (غفلت کا سامنا کرانا) اور نظر انداز کیا جاتا تھا۔ میری اپنے والدین کے ساتھ بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اور میں یہ سوچتی تھی کہ میں شفقت سے محروم اور غیر مطلوب ہوں، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے میرے زندگی کا کوئی مقصد نہیں"۔

ایک 40 سالہ ہم جنس پسند خاتون غزالہ نے بتایا "میرے خاندان کی طرف سے مجھ پر بہت سے پابندیاں تھیں"[5] یہاں تک کہ جب وہ کمانے لگیں اور پیشہ ور خاتون بنیں تب بھی اسکے خاندان والے شام سات بجے سے پہلے گھر پہنچنے کا کہتے تھے۔ اگر اس کا بس لیٹ ہو جاتا اور پہنچنے میں دیر ہو جاتی تو اس سے سوال جواب ہوتے "کہاں گئی تھیں؟ کیوں لیٹ ہوئی ہو؟" "کہاں سے آ رہی ہو؟" "کس سے ملنے گئیں تھیں؟"۔ غزالہ نے مزید بتایا کہ "میرے بیگ (بستہ) اور کپڑوں کی تالاشی لی جاتی تھی۔ کسی سے ملنے یا بات کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی کہیں جا سکتی تھی۔"[6]

خواجہ سرا طرح طرح کی آوازوں، تضحیک اور گالیوں کی صورت میں زبانی توہین اور رسوائی کا سامنا کرتے ہیں۔ خواجہ سرا کو ان کی جنسی شناخت اور اسکے اظہار کی وجہ سے ہراساں کیا جاتا ہے۔ فلک جو کہ ٹیکس اکٹھا کرنے کے سرکاری محکمے سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ اسکو کراچی میں عورت کے کپڑوں میں ملبوس ہو کر سفر کرنے میں بہت مشکلات پیش آتی ہیں کیونکہ راستے میں مرد طرح طرح کی گالیاں اور آوازیں کستے ہیں[7]۔

ہم جنس پسند خواتین نے اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور جان پہچان کے افراد کے ہاتھوں کلامی زیادتی کا سامنا کرنے کے متعلق رپورٹ کیا۔ شاہین اور اسکے ساتھی چند جان پہچان کے لوگوں نے "کارپِٹ مَنچرز" کہا۔ ایک موقعہ پر جان پہچان کے ایک مرد نے شاہین اور اسکے ساتھی کو کہا" ہمارے خوشی / لذت کے لئے ایک دوسرے کو چومو"۔ شاہین نے مزید بتایا کہ اکثر ان کو کسی سماجی نشست میں ایک یا ایک سے زیادہ مردوں کے "خوشی / لذت کے لئے" اسی طرح کی پیش کش کی جاتی تھی[8]۔

زیادہ تر ہم جنس پسند خواتین (جن کے انٹرویوز لئے گئے) نے اپنی جنسی شناخت کو اپنے خاندان والوں سے چھپایا ہوا تھا۔ وہ خاتون جس نے اپنے آپ کو مرد بتایا یا زیادہ مردانہ صفات کے مالک تھیں، اس پر ہمیشہ دباؤ ڈالا جاتا تھا کہ وہ عورتوں کی طرح بات کرے اور عورت جیسا برتاؤ کرے۔ انعم نے بتایا:

[4] پیٹریشیا (پان سیکشول)، جنسی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت اور فروغ کا ادارہ، لاہور، 2010

[5] غزالہ (ہم جنس پسند خاتون)، 0 پاکستان، لاہور، 2011

[6] غزالہ (ہم جنس پسند خاتون)، 0 پاکستان، لاہور، 2011

[7] غزالہ (ہم جنس پسند خاتون)، 0 پاکستان، لاہور، 2011

[8] شاہین، ہم جنس پسند خاتون، 0 پاکستان، کراچی، 2011

"ہاں وہ ہمیشہ مجھے تنقید کا نشانہ بناتے۔ کہا جاتا" یہ تم نے کیا پہنا ہے؟ "اور میں لڑکوں کی طرح بولتی تھی، اونچی آواز میں، آپ کو پتہ ہے نا، جیسے غنڈے بولتے ہیں۔ سب پھر تنقید کرتے تھے کہ "یہ کیا بکواس ہے؟ تمہارا کیا مسلہ ہے، تم لڑکیوں کی طرح کچھ نہیں کرتی؟"[8]

ٹرانسجنڈر[9] مردوں نے بھی جنس پر نگرانی کو شدید محسوس کیا۔ عمر نے بتایا کہ جنس پر نگرانی سے وہ کیسے پریشان ہوتے تھے:

"۔۔۔میں جسمانی تشدد سے زیادہ تب خفا یا پریشان ہوتا جب وہ مجھے لڑکی کے کپڑے پہناتے تھے، ہاں! اس سے تکلیف ہوتی تھی، اب اس احساس پر قابو پا لیا ہے۔ مگر اس تکلیف کا احساس، مجھے بہت برا لگا جب انہوں نے مجھے لڑکی کے نسوانی کپڑے پہنائے۔ اوہ، مجھے سخت نہ پسند تھا، اس سے میرا سارا دن ساری شام خراب ہو جاتی، یہ واقعی ہی خراب کر لیتی"[10]

ایک اچھے مسلمان اور ایک اچھی بیٹی ہونے کے لئے شادی کے تصور کو تسلیم کرنا اہم ترین ضرورت ہے۔

خاندان اور دوست احباب ہم جنس پسند خواہشات کو خاندان کے استحکام اور سالمیت کے لئے خطرہ گردانتے ہیں۔ 21 سالہ ہم جنس پسند خاتون زلیخا نے بتایا کہ جس خاتون سے اس کو محبت تھی، اس نے زلیخا کے اظہار کا جواب ایسے دیا کہ "اسلام میں ایسے محبت کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ نارمل نہیں ہے۔"[11] زلیخا نہایت مذہبی اور پابند خاتون ہیں۔ اپنے دوستوں اور اس عورت، جس سے اس نے محبت کی، ان کی طرح زلیخا بھی شادی کو اپنے تمام مسائل کا حل سمجھتی تھیں۔ اس نے مزید کہا کہ "جیسے میرے زندگی میں کوئی نہیں ہے، کوئی نہیں جس سے محبت کروں۔ وہ بھی جسمانی اور جذباتی طور پر کیونکہ جب میری شادی ہو گی تو دونوں نہیں رہیں گے۔"[12]

ایک محنت کش عیسائی گھرانے سے تعلق رکھنے والا جوڑا، جوائن اور اسکی ساتھی ایک سیلون میں کام کرنے کے غرض سے دبئی منتقل ہوئیں۔ وہ رہنے کی ایک ایسے جگہ کے تلاش میں تھے جہاں وہ اپنے خاندان کے دباؤ کے بغیر اکٹھے رہ سکیں۔ مگر وہاں دونوں کو جسم فروشی کے لئے مجبور کیا گیا۔ پھر ایک دن وہ بڑے مشکل سے وہاں سے واپس پاکستان بھاگنے میں کامیاب ہوتے ہیں اور ان خاندانی زیادتیوں اور غربت میں واپس آجاتے ہیں جس سے وہ پہلے بھاگنا چاہ رہے تھے۔[13] واپسی پر جوائن پست اور افسردہ محسوس کرتی رہیں۔

"مجھے ہر دن اور ہر رات بہت لاچاری کا احساس ہوتا ہے، کیونکہ ماریہ اپنے والدین کے ساتھ رہتی ہیں۔ اب تو اسکا باپ بھی اسکے ساتھ رہتا ہے۔ (خاندان میں) اسکی شادی کی بات چل رہی ہے۔ اور جب میں سنتی ہوں تو میں۔۔۔۔ میں اکتا جاتی ہوں۔ میں کب تک ان لوگوں کو روک سکوں گی؟ اور یا وہ کب تک اس مزاحمت کا سامنا کر سکیں گے؟۔۔۔ ماریہ کہتی ہیں کہ اب ہم اسطرح پاکستان میں نہیں رہ سکتے، یہاں لوگ سینکڑوں باتیں بناتے ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ جب ہم پاکستان سے باہر چلے جائیں گے تو ہم اپنی تمام زندگی اکٹھے گزاریں گے۔ اور اگر حالات بہتر نہیں ہوتے تو اسکے خاندان والے اسکی شادی کرا دیں گے۔"

[9] ایسے افراد جن کی اپنی جنسی شناخت یا جنسی اقدار مرد اور عورت کے روایتی جنسی شناخت اور یا اقدار سے مطابقت نہیں رکھتے

[10] عمر، ٹرانسجنڈر مرد، 0 پاکستان، کراچی، 2011

[11] زلیخا، ہم جنس پسند خاتون، 0 پاکستان، لاہور، 2011

[12] زلیخا، ہم جنس پسند خاتون، 0 پاکستان، لاہور، 2011

[13] جوائن، ہم جنس پسند / دوجنسہ مرد، 0 پاکستان، لاہور، 2011

جوائن اور ماریہ کی اکٹھے برداشت کرنے والی جنسی تشدد، جسمانی تشدد، زبانی بدکلامی اور اقتصادی استحصال (بے دخلی اور املاک کے نقصان کی صورت میں) ہی جوائن کے پریشانی اور اداسی کی وجہ تھیں۔ ان کا ملک چھوڑنے کی خواہش سے وابستہ ان کا اکٹھا کھل کے رہنے کی خواہش تھی جہاں وہ خاندان اور معاشرے کے دباؤ سے بلکل آزاد ہوں۔

جسمانی تشدد

جسمانی تشدد اکثر گھروں میں جابرانہ ماحول کا حصہ تھا۔ جنس کے عمومی رائج اقدار سے مطابقت نہ رکھنے والے اور ہم جنس پسند افراد دگر جنسی خاندانی ساخت اور مردوں کا گھر کے سربراہ ہونے کے معاشرتی تصور اور اس کے توازن کے لئے خطرہ تصور ہو رہے ہیں۔ نتیجتاً وہ خاندان جہاں جنم ہوئی ہو، وہاں جسمانی تشدد پریشان کن حد تک عام تھی۔ خاندان کے اندر جسمانی تشدد معاشرتی اور ثقافتی امیدوں، عمومی رائج جنسی اقدار سے انکار، جنس کے ظالمانہ طرز عمل کے خلاف بغاوت، ہم جنس سرگرمی اور یا تعلق میں پکڑے جانے کی وجہ سے اچانک واقع ہوتی ہیں۔ کچھ کو تو ان کے اپنے رشتہ داروں نے قتل کیا۔

جن واقعات میں جنسی اور جسمانی تشدد کو رپورٹ کیا گیا، وہاں تشدد وحشیانہ اور شدید تھا۔

خاندانوں میں جرم کرنے والے زیادہ تر والدین ہی ہوتے تھے جن کو بہن بھائیوں کی مدد حاصل تھی۔ مشترکہ خاندانی نظام میں دوسرے قریبی خونی رشتہ دار بھی ہم جنس پسند افراد کے خلاف جنسی یا جسمانی تشدد کرنے میں ملوث پائے گئے ہیں۔

کراچی کے ایک دو جنسی مرد عمر نے بتایا کہ اس کا اپنے جنس کے مطابق لباس نہ پہننے پر اسکے باپ نے کئی دفعہ مارا۔ عمر نے مزید بتایا کہ۔۔۔ "یہاں تک کے مجھے بال زیادہ چھوٹے کرنے پر بھی باپ نے تشدد کا نشانہ بنایا"[14]

لاہور سے تعلق رکھنے والی دو جنسی عورت غزالہ نے بتایا کہ اس کے قریب کے رشتہ دار اس کو طعنہ دیتے تھے، اور غزالہ کے والدین سے سوال کرتے "یہ مردوں کی طرح کیوں پیش آتی ہیں؟ اس کا لباس بلکل عورتوں کی طرح نہیں۔۔۔ جب اسکی شادی ہوگی تو ہم کیا کریں گے؟ لوگ تو ایسے لڑکیوں کو پسند نہیں کرتے جو لڑکوں کی طرح پیش آتی ہیں۔"[15]

22 سالہ دو جنس خاتون (شیری) کے معاملے میں جسمانی تشدد بہت ہولناک تھی کیونکہ اسکے خاندان والوں کے تقریباً تمام افراد نے اسکو بری طرح جسمانی تشدد کا نشانہ بنایا۔

"چونکہ میں ایک لڑکی کے ساتھ باہر وغیرہ جاتی تھی اس لئے (میرے) بھائی نے مجھے بہت مارا۔۔۔ جبکہ وہ مجھ سے بہت چھوٹا ہے اور گھر میں کسی نے اس کو کچھ نہیں کہا۔۔۔ سب لوگ کھڑے تھے اور بس دیکھ رہے تھے۔۔۔ بہن نے بھی مجھے بہت زدوکوب کیا اور بدصورت، گھونی اور طوائف/فاحشہ کہا۔۔۔ جب میں نے ابو کے احکام کی نافرمانی کی تو انہوں نے میری طرف غصے سے چاقو پھینکا۔۔۔ تب مجھے احساس ہوا کہ میرے والد مجھے قتل بھی کر سکتے ہیں، واقعی قتل کر سکتے ہیں"[16]

پیدائشی خاندانی کے تشدد سے بچنے کے لئے چند ہم جنس پسند اور دو جنسی خواتین دگر جنسی (ہیٹرو سیکشول) شادیوں میں داخل ہوئیں۔۔۔ (مگر) جس خاندان میں بیاہ ہو کر گئیں، تشدد وہاں بھی ہوتا رہا۔

---

[14] عمر، دوجنسہ مرد، 0 پاکستان، کراچی، 2011

[15] غزالہ، دو جنسی خاتون، 0 پاکستان، لاہور، 2011

[16] شیریں، دو جنسی خاتون، 0 پاکستان، لاہور، 2010

چونکہ جوائن کے جنسیت اور ایک عورت سے تعلق کا خاندان والوں کو پتہ چل چکا تھا، اس لئے جوائن کے چچا کے خاندان نے اِن باتوں کا بہانہ بنا کر دھوکے سے جوائن کو اسکے خاندانی جائیداد سے باہر کرنے کے لئے بلیک میل کیا۔ جوائن کی جنسیت (عمومی رائج دگر جنسی اقدار کے منافی جنسی اظہار کو) اور ایک دوسرے عورت سے تعلق رکھنے کو وجہ بنا کر (جوائن) کے چچا کے خاندان والوں نے اسکو اپنی خاندانی جائیداد سے باہر (عاق) کرنے میں استعمال کیا۔ چچا کہ خاندان والوں نے جوائن اور اسکے ساتھی کو سامان سمیت گھر سے باہر نکالا اور جائیداد کو چچا کے نام کرانے کے کاغذات پر دستخط کے لئے مجبور کیا۔[17] مزید، جوائن کے ساتھی کے گھر والے جوائن کو نہ اپنے ساتھی سے ملنے دیتے تھے اور نہ ہی اسکے ساتھی کو باہر جانے دیتے تھے، اگر جوائن اپنے ساتھی سے اس کے گھر ملنے کے لئے جاتیں تو تشدد کرکے جوائن کو گھر سے نکال دیا جاتا۔ وہ اسکو گالیاں نکالتے اور کہتے ”اسکا ہمارے خاندان سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ہی اسکا ہمارے ساتھ کوئی رشتہ ہے، تم لوگ اسکو گھر میں ہی کیوں چھوڑتے ہو؟ اسکو نکالو یہاں سے۔“[18]

پیدائشی خاندان کے تشدد سے بچنے کے لئے چند ہم جنس پسند اور دو جنسی خواتین دگر جنسی (ہیٹروسیکشول) شادیوں میں داخل ہوئیں۔ کچھ نے اپنے خاندان کے (مردسے) شادی کرنے کے توقعات پر پورا اترنے کے دباؤ میں آکر شادیاں کیں، وہ اس دباؤ سے کبھی اپنے تصور میں بھی نہ نکل سکیں۔[19] خیر، ایسے معاملات میں دگر جنسی (ہیٹروسیکشول) شادیوں نے تباہ کن نتائج دیئے۔ سسرال میں بھی تشدد ہوتی رہی۔ انٹرویو دینے والے تمام ہم جنسی اور دو جنسی خواتین جن کی زبردستی شادیاں کروائیں گئیں، انہوں نے اپنے شوہر کے ہاتھوں شدید جسمانی اور جنسی تشدد کو سہا۔

ایک 22 سالہ دو جنسی خاتون (شیری) جس کی شادی اسکے خاندان والوں نے زبردستی کرادی تھی، اس نے ہمیں بتایا کہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہم بستری میں ہچکچاہٹ محسوس کرتی تو اسکا شوہر اس پر بہت تشدد کرتا تھا۔

[17] جوائن، دو جنسی ہم جنس پسند مرد، 0پاکستان، 2011

[18] جوائن، دو جنسی ہم جنس پسند مرد، 0پاکستان، 2011

[19] شیری، دو جنسی خاتون، 0پاکستان، لاہور، 2010

کراچی کی 22 سالہ ہم جنس پسند خاتون (شاہین) نے 20 سال کی عمر میں زبردستی شادی کرائی جانے کے بعد ایک سال تک ازدواجی زندگی میں بہت زیادتیاں برداشت کیں۔ اس نے ہمیں بتایا کہ، ”ہر دن اس پر ہر طرح کا زبانی، جسمانی اور جنسی تشدد کیا گیا۔[20] یہ محض میرے فرض منصبی کا معاملہ نہیں تھا“ شاہین کے لئے ایک سال تک شادی کو برداشت کرنے کی ایک بڑی وجہ ڈر/خوف بھی تھا، مگر اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ شاید ازدواجی تعلق میں رہنا اس کے لئے گھر والوں کے توقعات پر پورا اترنے کا ایک امتحان ہے۔

خاندان بلا نظم وضبط یا غیر منظم ہوتا ہے اور اکثر فرد پر مکمل کنٹرول رکھتا ہے۔

جب شاہین کو محسوس ہوا کہ وہ مزید ازدواجی تعلق میں ہونے والے تشدد کو برداشت نہیں کرسکے گی، اسے پھر بھی نجات کے لئے کسی ایسے موقعہ کا انتظار کرنا پڑا کہ جہاں اس پر ہونے والے تشدد کا کوئی واضح اظہار ہو۔

> ”میں نے اپنے والدین کو 10 مہینے بعد بتادیا تھا۔ میں جتنے عرصے سسرال رہی میں نے (انکو) نہیں بتایا تھا۔ لیکن بتایا تب جب انہوں (والدین) نے میرے چہرے پر خراش دیکھا، میرا شوہر ویسے بہت محتاط رہتا تھا۔۔۔ میرے تمام جسم پہ خراش ہوتے مگر میرے چہرے پہ نہیں۔۔۔ تو شاید یہ اس لئے ہوا کیونکہ مجھے وجہ کی تلاش تھی (کہ اس کا سہارا لے کر اپنے اوپر ہونے والے تشدد کے متعلق والدین کو بتاؤں)۔ اندر ہی اندر مجھے اس بات کا احساس تھا کہ میں نے ازدواجی زندگی میں اپنے آپ کو کافی حد تک آزمالیا ہے۔“[21]

[20] شاہین، ہم جنس پسند خاتون، 0پاکستان، کراچی، 2011

[21] شاہین، ہم جنس پسند خاتون، 0پاکستان، کراچی، 2011

جیسا کہ ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ عورت کا جسم رکھنے والے افراد چاہیں وہ ہم جنس پسند خواتین ہوں، دو جنسی خواتین اور یا ٹرانسجنڈر (وہ افراد جنھوں نے اپنا جنس مرد سے عورت / عورت سے مرد میں تبدیل کیا ہو) ان تمام نے زیادہ تر جسمانی تشدد کا سامنا نجی / ذاتی جگہوں پر کیا ہے۔ یہ دگر جنسی خواتین (وہ جنسی شناخت جو کہ پیدائش کے وقت کے قدرتی جنس کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو) کے تجربات جیسا ہی ہے۔ اگر عوامی جگہوں کی بات کریں تو وہ افراد جنہوں نے اپنا جنس مرد سے عورت میں تبدیل کیا ہو اور ہم جنس پسند خواتین جو مردانہ جسمامت رکھتی ہوں، انہوں نے اپنے ساتھ ہونے والی زبانی ایذا دہی کے متعلق بتایا۔ جائے عام (پبلک جگہ) میں جسمانی تشدد کے متعلق بہت کم رپورٹ کیا گیا۔ جن لوگوں نے عوامی جگہوں میں ان پر ہونے والے تشدد کو رپورٹ کیا اس کے وجہ غیر موزوں جنسی حرکات بتائی گئی۔

جبکہ خواجہ سرا افراد نے رپورٹ کیا کہ ان کے ساتھ ہونے والی جسمانی تشدد زیادہ تر عوامی جگہوں پر ہی ہوتی ہے، زیادہ تر گلی کوچوں میں جب وہ روزمرہ کے کام (جیسا کہ بھیک مانگنا، گلیوں میں ناچنا اور یا جسم فروشی) کر رہے ہوتے ہیں۔ انہوں نے حد درجے کی تضحیک اور زبانی بدکلامیوں کے متعلق زیادہ رپورٹ کیا جو کہ بعد میں جنسی اور یا جسمانی تشدد کے سبب بنیں۔

کراچی کی ایک خواجہ سرا (امبر) نے بتایا کہ سڑک پر کچھ مرد اس پر کیلے کے چھلکے پھینکتے تھے، گندے جملے کھستے تھے اور بیہودہ مزاح کرتے تھے۔ اس نے مزید بتایا کہ (گلیوں میں مرد) ان پر تشدد کرتے، کپڑے اترواتے اور بٹوا چھینتے تھے۔ امبر نے پولیس افسروں کی نشاندہی ان لوگوں میں کی جو خواجہ سرا پر ہونے والے تشدد میں ملوث ہوتے ہیں۔

”(پولیس والے) ہمیں پر تشدد کرتے ہیں۔۔۔ ڈنڈوں سے مارتے ہیں، تھپڑ اور لاتے مارتے ہیں۔ جب ہم ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہم چھپ جاتے ہیں۔۔۔ ہاں، پھر وہ ہمیں پکڑ لیتے ہیں۔ وہ اس وقت ہمیں کچھ نہیں کہتے مگر ہمارے گاہک سے پیسے وصول کرتے ہیں۔ وہ ہمارے لئے دلالی بھی کرتے ہیں۔۔۔ اور ہم سے پیسے لیتے ہیں۔ وہ ہم سے کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے ایک گاڑی آئے گی، اس میں بیٹھ جانا پھر ہم تمھیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیں گے۔ پولیس والے پھر ان سے پیسے لیتے ہیں اور ہمیں اپنا حصہ بھی نہیں دیتے۔“[22]

2010 میں 20 کے قریب خواجہ سرا کو سالگرہ (جنم کے دن کو رسمی طور پر منانے کی تقریب) مناتے ہوئے گرفتار کر لیا گیا۔ ایک غیر معین ذرائع کے رپورٹ پر پولیس نے اس جگہ پر چھاپہ اس لئے مارا کیونکہ رپورٹ کے مطابق پارٹی میں بند دروازوں کے پیچھے منشیات اور شراب کا استعمال ہو رہا تھا۔ عامر (وہ شخص جس کی سالگرہ منائی جا رہی تھی) سمیت پارٹی میں شامل متعدد افراد کو گرفتار کیا گیا۔ جب پولیس ان کو لے جا رہی تھی تو عامر نے پولیس کے تشدد کے ڈر سے بھاگنے کی کوشش کی اور پولیس کی گاڑی سے چھلانگ لگادی۔ پولیس کے گاڑی میں اس وقت موجود دوسرے افراد نے الزام لگایا کہ جب عامر بھاگ رہا تھا تو گاڑی میں قریب بیٹھے پولیس والے نے اس پر گولی چلائی جس سے عامر کی موت واقع ہوئی۔ جبکہ پولیس نے الزام لگایا کہ عامر کی موت گاڑی سے چھلانگ لگانے کے دوران سر پر چوٹ آنے سے ہوئی۔ تاہم موت کا اصل سبب جاننے کے لئے لاش کا کوئی طبعی معائنہ (پوسٹ مارٹم) نہیں ہوا۔[23]

ایک دوسرے موقعہ پر پولیس نے تقریب کے تمام شرکاء کو اس لئے گرفتار کیا تھا کیونکہ ان کو شبہ تھا کہ ایک خواجہ سرا (رانی) اور ایک مرد کی شادی ہو رہی ہے۔ گرفتار کئے جانے والے افراد نے دعویٰ کیا کہ وہ محض رانی کے لئے منعقد کئے گئے ایک رسمی تقریب منانے کے لئے اکٹھا ہوئے تھے جبکہ پولیس نے دعویٰ کیا کہ شادی ہو رہی تھی۔[24]

---

[22] امبر، خواجہ سرا، 0 پاکستان، لاہور، 2011

[23] رمیز خان، خواجہ سرا ہلاک: ”اسکی موت گولی لگنے سے ہوئی، سر پہ چوٹ لگنے سے نہیں“ Express Tribune, November 27, 2010, http://tribune.com.pk/story/82408/eunuch-killed-he-died-from-bullets-nothead-injury/

[24] سارا سہیل، ”حجرا، شادی اور قانون“

جنسی تشدد

جن لوگوں نے ہم سے بات چیت کی انہوں نے جنسی اور غیر مہذب تبصروں سے لے کر غیر مطلوب چھونے یا پکڑنے، چھیڑ چھاڑ اور آبرو ریزی جیسے زیادتیوں کا سامنا کیا تھا۔ انٹرویو دینے والوں کے لئے تشدد کے تمام اقسام میں جنسی تشدد کے حوالے سے بات چیت کرنا سب سے حساس اور مشکل تھا۔ اسی لئے انٹرویو دینے والے زیادہ افراد نے جنسی تشدد کے موضوع پر بات چیت سے یا تو مکمل طور پر اجتناب کیا اور یا تفصیلاً بات چیت کرنے سے گریز کرتے رہے۔

اوپر دیئے گئے معلومات سے یہ اندازہ لگایا گیا کہ ایل بی ٹی افراد کا انٹرویو میں دیئے گئے معلومات میں کچھ زیادہ تضاد / انحراف نہیں پایا جاتا۔ تقریباً تمام صورتوں میں تشدد کرنے والے افراد غیر ریاستی تھے اور انہوں نے تشدد کے لئے ذاتی جگہوں کا استعمال کیا۔ انٹرویو دینے والے وہ افراد جو جنسی تشدد کا شکار ہوئے، وہ تمام واقعات میں تشدد کرنے افراد کو ذاتی طور پر پہلے سے جانتے تھے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرنا اہم ہے کہ جن افراد کے ساتھ جنسی تشدد ہوئی ان کے ساتھ جسمانی اور جذباتی تشدد بھی ہوئی۔ کیونکہ انٹرویو دینے والے افراد نے جنسی طور پر زدوکوب ہونے کے ساتھ ساتھ جسمانی یا جذباتی تشدد کو بھی (جسمانی یا جذباتی تشدد کو جنسی تشدد کا حصہ گردانتے ہوئے اور یا ایک الگ واقعے کے طور پر) رپورٹ کیا۔

یوں، جنسی تشدد ہمیشہ بدسلوکی / زیادتی اور رسوائی کی منظم کوشش کا حصہ رہی ہے۔ دوسرے قسم کے تشدد کے ساتھ اگر موازنہ کریں تو جنسی تشدد کے واقعات کم رونما ہوئے ہیں۔ تاہم، یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا واقعات دراصل کم رونما ہوئے ہیں اور یا پھر اسکو رپورٹ کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی جارہی تھی؟

انٹرویو دینے والے کچھ افراد نے محسوس کیا کہ جنسی طور پر ہراساں ہونے کا تعلق ایل بی ٹی انسان کے متعلق معاشرے میں منفی تاثرات کے ساتھ ہے (سٹیریو ٹائپس)۔ لاہور سے تعلق رکھنے والی ایک 22 سالہ دگر جنسی خاتون (شیری) نے ہمیں بتایا۔

"ایک سماجی ویب سائٹ پر کچھ افراد (مرد) نے مجھے دوستی کی دعوت بھیجی اور مجھ سے بات چیت وغیرہ شروع کی، اور اپنے پرائیویٹ حصوں وغیرہ کے تصویر بھیجتے۔۔۔ کیونکہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ دگر جنسی اور ہم جنس پسند خواتین شاید رنڈیاں ہیں۔"[25]

انٹرویو دینے والے کچھ افراد ایل بی ٹی افراد کی جنسی طور پر ہراساں ہونے کو ملک میں تمام عورتوں کے جنسی ہراست کے مسئلے کی وسعت یا توسیع گردانتے ہیں۔ پاکستان میں ہم جنس پسندوں سے عمومی رائج نفرت کے باعث کینیڈا نقل مکانی کرنے والی ایک ہم جنس پسند خاتون (نتاشہ) نے بتایا:

> "میرے خیال میں پاکستان کے گلیوں میں ایک خاص قسم کی ہراست پائی جاتی ہے، جیسے کہ چٹکی کاٹنا یا ہاتھ لگانا۔۔۔ یہ جنسی طور پر ہراساں کرنے کے عمومی اقسام ہیں جس کا زیادہ تر عورتیں ہی پاکستان میں سامنا کرتی ہیں۔"[26]

کچھ افراد نے اپنے انٹرویو میں بتایا کہ ان کو بچپن میں جنسی زیادتی کا نشانہ بنانے والے ایسے افراد تھے جن کو وہ جانتے تھے، جیسے کہ گھر کے مرد ملازم یا پھر رشتہ دار۔ بچپن میں زیادتی کا نشانہ بننے والے کچھ افراد کے ساتھ جنسی تشدد ایک سے زیادہ دفعہ ہوئی، بعض واقعات میں جنسی تشدد سالوں تک جاری رہی، جبکہ کچھ نے اپنے ساتھ ہونے والے جنسی تشدد کا زیادہ سے زیادہ عرصہ چھ (6) سال بتایا۔ ان افراد نے اپنے ہی خاندان والوں اور جنسی تشدد

Chay Magazine, July 1, 2010, http://chaymagazine.org/2010-queer-jun/254-Hijras-marriage-and-the-law

[25] شیری، دو جنسی خاتون، لاہور، 0 پاکستان، 2010

[26] نتاشہ، ہم جنس پسند خاتون، 0 پاکستان، لاہور، 2011

کے مرتکب شخص سے ملنے والی ممکنہ سزا، مارپیٹ وغیرہ کے ڈر سے اپنے ساتھ بچپن میں ہونے والے جنسی تشدد کے متعلق کسی کو نہیں بتایا۔

جیسا کہ لاہور کی ایک 22 سالہ دو جنسی خاتون (ذلیخہ) نے بتایا "مجھے ڈر تھا کہ شاید میری ماں مجھے مارے گی، فروخت کر دیں گی یا پھر ایسا ہی کچھ اور کر لے گی "[27]

ایک ٹرانسجنڈر مرد (عمر) نے بتایا کہ اسے ایک شخص کی طرف سے زنا بالجبر کی دھمکی ملی جب عمر نے اس شخص کی پرانی گرل فرینڈ (محبوبہ) سے تعلقات رکھنا شروع کئے۔[28] اس نے مزید بتایا کہ اس کے گرل فرینڈ کی بہن نے عمر کی ماں کو مشورہ دیا کہ "شاید میرے (عمر کے ساتھ) زنا بالجبر ہونا چاہیے، تاکہ میری سوچ تبدیل ہو سکے "[29]

ایک دوجنسہ خاتون (غزالہ) جس کو اسکا سوتیلا باپ سولہ سال کی عمر سے مسلسل چھ سال تک جنسی تشدد / زنا بالجبر کا نشانہ بناتا رہا، کہتی ہیں:

"اس نے میرے ساتھ زبردستی کی (زنا بالجبر)، پھر میں نے فیصلہ کیا کہ میں مزید وہاں نہیں رہوں گی (گھر پر) کیونکہ میری بات سننے والا کوئی نہیں تھا۔ جب میں نے اپنی ماں، ماموں کو، خاندان والوں کو بتانا چاہا، تو انہوں نے میری بات رد کی۔ یہاں تک کہ وہ بھی تیار نہیں تھے کہ میری بات کو سنجیدگی سے لیں۔ وہ سمجھے شاید میں جھوٹ بول رہی ہوں "[30]

[27] ذلیخہ، دو جنسی خاتون، 0 پاکستان، لاہور، 2011

[28] عمر، ٹرانسجنڈر مرد، 0 پاکستان، کراچی، 2011

[29] عمر، ٹرانسجنڈر مرد، 0 پاکستان، کراچی، 2011

[30] غزالہ، دو جنسی خاتون، 0 پاکستان، لاہور، 2010

اپنے گھر میں متواتر زنا بالجبر کا نشانہ بننے والی خاتون، پیٹریشیا (پین سیکشول) نے بتایا:

"یقیناً مجھ پر خوف طاری ہوا، دھچکا لگا اور تکلیف ہوئی۔ بنیادی طور پر میں خود کو غیر محفوظ اور کسی شے / چیز کی مانند محسوس کرنے لگی۔ میں نے سوچا کہ کیا مجھے اپنے جسم پر، اپنے لئے انتخاب کرنے، رائے یا اجازت دینے کا کوئی حق نہیں ہے؟ (میرے ساتھ جو ہوا) کیا یہ میری جسمانی کمزوری کی وجہ سے ہوا؟ بنیادی طور پر مجھے یہ محسوس ہوا کہ اگر کوئی جسمانی طور پر طاقتور ہے، تو کیا اسکو حق مل جاتا ہے کہ اپنے سے کمزور کا جیسے چاہے فائدہ اٹھائے؟ یہ غلط ہے۔۔۔ میں اپنے آپ کو گالیاں دیتی رہی کہ کیوں میں اتنی کمزور تھی اور اپنے ساتھ ہونے والے زیادتیوں کو روک نہ سکی؟"[31]

[31] پیٹریشیا، پین سیکشول*، 0 پاکستان، لاہور، 2010

مونیکا[32]

لاہور کی رہائشی مونیکا ایک 22 سالہ جانی پہچانی خواجہ سرا ہے۔ وہ پیدا تو لڑکا ہوئی مگر عورت کے طور پر پہچانی جاتی ہے۔ اور مردوں میں رومانوی اور جنسی دلچسپی کے اظہار کے لئے اپنے آپ کو ہم جنس پسند کہتی ہیں۔ وہ اپنے خاندان سے دور لاہور کے ایک پسماندہ علاقے میں کرائے کے فلیٹ میں رہتی ہیں۔ دوسرے خواجہ سراوں کے برعکس، مونیکا تعلیم یافتہ ہے۔ وہ ایک روشن طالبہ تھیں جس نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ وہ دعوتوں میں رقص کر کے اور جسم فروشی کے ذریعے کماتی ہیں۔ انٹرویو کے وقت مونیکا کسی کے ساتھ رومانوی تعلق میں تو نہیں تھیں مگر اس نے اپنے پرانے مرد ساتھی (پارٹنر) کا ذکر بہت شوق سے کیا، جس سے وہ بے حد محبت کرتی تھیں۔ مونیکا نے اپنے ماہانہ آمدنی کا ذکر تو نہیں کیا لیکن وہ اپنے کرائے کے گھر میں آزادانہ طور پر رہنے اور اپنے اخراجات خود اٹھانے کے ساتھ ساتھ اپنے خاندان کی مالی مدد بھی کرتی ہیں۔ اگرچہ ایک طالب علم کے طور پر وہ اپنے ہم جماعتوں سے مختلف تھیں مگر اس نے بتایا کہ اس کے اساتذہ یا ساتھیوں نے اس کے ساتھ کبھی غیر امتیازی سلوک نہیں کیا۔ جب وہ 15 برس کی تھیں تب اس کے ارد گرد کے لوگوں نے احساس دلایا کہ یا تو یہ ہم جنس پسند ہے یا پھر خواجہ سرا۔ مونیکا نے اس بات کو آہستہ آہستہ تسلیم کیا اور اپنے والدین اور چار بہن بھائی کے پاس آئیں۔ گھر والوں نے مونیکا کے اس دعوے کو نظر انداز کیا اور قائل کرنے کی کوشش کی کہ ہم جنس پسند ہونا غیر معمولی اور غلط ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس کے گھر والوں کے نامنظوری کی وجہ رشتہ داروں کے ساتھ بڑے پیمانے پہ معاشرے کی طرف سے دباؤ بھی تھا۔

مونیکا نے بتایا کہ ابتدائی طور پر اپنے خاندان والوں کے رویئوں کے ساتھ نمٹنا بہت مشکل تھا لیکن آخر کار وہ اس میں کامیاب ہوگئیں۔ وہ کہتے ہیں "میری رگوں میں جٹ[33] خون ہے، تو میری ہمت کو توڑنا آسان نہیں تھا۔ "اس نے بتایا کہ ابتدا میں اس کی والدہ اور بعد میں اسکے گرو (جس کو مونیکا "اپنا مالک" کہتی ہیں) مونیکا کے لئے بہت مددگار ثابت ہوئے۔

مونیکا کو خاندان والوں کی طرف سے جذباتی تشدد کا سامنا کرنا پڑا جنہوں نے اس کو لعنت ملامت کیا اور بد عادی کی خدا اسے (مونیکا کو) غرق کرے۔ رشتہ داروں نے مونیکا کی ماں پر دباؤ ڈالا کہ وہ مونیکا کو خواجہ سرا بننے سے روکیں اور دوبارہ بطور مرد مناسب زندگی شروع کرائیں۔ اس سے مونیکا بہت نڈھال اور پریشان ہوئیں مگر اس نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور مزاحمت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر کار اسکی ماں اس کی حمایت کرنے لگیں، خاص طور پر تب، جب اس نے پیسہ کمانا شروع کیا اور اپنے خاندان کی مالی مدد کرنا شروع کی۔

مونیکا نے عوامی حلقے میں بھی عظیم امتیازی سلوک کا سامنا کیا۔ وہ صنفی طور پر تقسیم کمپارٹمنٹ کی وجہ سے بس میں سفر نہیں کر سکتی تھیں۔ "میرے لئے مقامی بسوں میں کوئی جگہ نہیں، جب میں عورتوں کے سیکشن میں داخل ہوتی تو وہ مجھے کہتے کہ میں عورت نہیں ہوں، سو مجھے چلے جانا چاہیے۔ اور جب میں مردوں کے سیکشن میں جاتی تو وہ بھی میرا مذاق اڑاتے اور وہاں سے چلے جانے کو کہتے"۔ ایسی صورت حال میں مجھے رکشہ لینا پڑتا جو کہ زیادہ مہنگا اور مالی بوجھ ہے۔

ڈاکٹر کے پاس جانا بھی ایک آزمائش ہے۔ "میں کسی سرکاری ہسپتال نہیں جاسکتی، ڈاکٹروں کے ساتھ ساتھ مریض بھی یہ سوچتے ہیں کہ یہ عجیب سی چیز یہاں کیا کر رہی ہے؟ مجھے لوگوں کے تبصرے، اشارے اور اکثر بد دعائیں ہی ملتیں ہیں۔ ایسے میں میرے پاس پرائیویٹ ڈاکٹر یا کلینک جانے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں (ایک نجی ڈاکٹر یا کلینک کو منتخب کرنے کا مطلب ہے کم امتیازی سلوک) لیکن یہ زیادہ مہنگا بھی پڑتا ہے۔"

مونیکا کے پبلک جگہوں میں تشدد سے متعلق زیادہ تر تجربات جسمانی اور جنسی تشدد پر مبنی ہیں۔ اس کو ہر روز سڑکوں پر فحش تبصروں کا نشانہ بنا کر، حقارت آمیز لطیفے اور اجنبی لوگ زبردستی پکڑ کر یا چھو کر ہراساں کرتے ہیں۔ مونیکا اس سے خوفزدہ، اداس اور پریشان محسوس کرتی ہیں۔ اب مونیکا نے یہ سب تسلیم کرلیا ہے، کیونکہ وہ اس سے بچ نہیں سکتیں۔

مونیکا نے بتایا کہ کسی پارٹی کے دوران شرابی آدمیوں کے ایک گروہ نے اسکی عصمت دری کی، جبکہ اس پارٹی میں مونیکا کو محض رقص کرنے کے لئے بلایا گیا تھا۔ مونیکا اس پارٹی میں اپنے ساتھی خواجہ سراوں اور گرُو کے ہمراہ گئیں تھیں۔ مونیکا نے مزید بتایا کہ قصور واروں کو کسی نے نہیں روکا، اس کے گرو نے بھی نہیں روکا۔ یہ مونیکا کے لئے انتہائی صدمہ انگیز تھا۔ عصمت دری کے بعد وہ انتہائی صدمہ اور بے بس محسوس کر رہیں تھیں۔ جب اس نے اپنے گرو کا سامنا کیا اور مدد نہ کرنے کا گلہ کیا تو اسکو بتایا گیا کہ ایسی پارٹیز میں عصمت دری ہونا عام اور معمولی بات ہے۔ مونیکا کو اس خوفناک واقعے سے نکلنے کے لئے طویل عرصہ لگا۔ اس نے مزید کہا کہ اس واقعے نے گرو کے خلاف نفرت کو فروغ دیا۔ مونیکا کو صرف اس کے ساتھی خوجہ سراوں نے جذباتی تعاون دیا۔ مونیکا کہتی ہیں "اب میں اپنے ساتھ ساتھ اپنے دوست خواجہ سراوں کو تحفظ فراہم کرنے کی کوشش کرتی ہوں اور اگر کوئی میرے دوستوں کے ساتھ عصمت دری یا چھیڑ چھاڑ کی کوشش کرتا ہے تو میں اپنے آپ کو پیش کر دیتی ہوں (ان لوگوں کو جو میرے دوستوں کی عصمت دری کرنا چاہتے ہیں) اور انکو اپنے دوستوں کو چھوڑ دینے کے لئے کہتی ہوں۔"

---

[32] مونیکہ، خواجہ سرا، 0 پاکستان، لاہور، 2011

[33] جٹ ایک ذات / قوم کا نام ہے اور ثقافتی اعتبار سے مضبوط ارادوں کے مالک اور ذدی تصور کیئے جاتے ہیں۔

شاہین[34]

شاہین کراچی کی رہائشی 40 سالہ ہم جنس پسند عورت ہے۔ اسکی دو دفعہ مرد سے شادی کرائی گئیں۔ 35 سال کی عمر میں اس نے ایک عورت کے ساتھ رشتہ بنایا اور اب اسی کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ شاہین نے اے-لیول تک تعلیم حاصل کی۔ پیدائش اور تربیت مسلمان گھرانے سے ہوئیں۔ مگر اب وہ اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں کرتیں۔ وہ اپنا پیشہ منظر عام پر نہیں لانا چاہتی تھیں مگر اس نے بتایا کہ وہ ایک ہائی پروفائیل فرد کی حیثیت رکھتیں ہیں اور پاکستانی ایک لاکھ روپے ماہانہ کماتی ہیں۔

شاہین ایک ہم جنس پسند عورت کے طور پر پہچانی جاتیں ہیں۔ جب وہ ہم جنس پسندی کے رشتے میں داخل ہوئیں تو اس نے اپنی جنسی شناخت کو اپنے دوستوں، بھائیوں اور انکے بیویوں کے سامنے ظاہر کیا۔ اگرچہ اس کے بہن بھائیوں اور ان کی بیویوں نے شاہین کی حمایت کی، مگر اس کے دوست اسکی ایسی حمایت کرنے کے لئے آگے نہیں آئے۔ ایک ہم جنس پسند دوست اس بات پر ناراض ہو گیا تھا، اور اس دوست نے شاہین کو شادی کی پیشکش کی، اور یہ تجویز پیش کیں کہ دونوں ایک ساتھ بچے پیدا کریں تا کہ کسی کو دونوں کی جنسی شناخت معلوم نہ ہو سکے۔ شاہین کے لئے اپنے دوست کا ایسا کہنا اذیت ناک تھا مگر شاہین نے اپنے دکھ کو ظاہر نہیں کیا۔ شاہین کہتی ہیں کہ اسکے بہت سارے دوست اسکے جنسی شناخت کے متعلق جانتے ہیں مگر وہ اس بارے میں بات نہیں کرتے اور نظر انداز کرتے ہیں۔ اپنی جنسی شناخت ظاہر کرنے کے بعد کچھ دوست شاہین سے علیحدگی اختیار کر چکے ہیں، مگر شاہین کہتی ہیں کہ کچھ دوستوں کا اس سے علیحدہ ہونا اسکی نئی محبت میں گم ہو جانے کی وجہ سے تھا کیونکہ وہ اپنے دوستوں کو مناسب وقت نہ دے سکیں۔

شاہین نے بتایا کہ اس پر غیر ریاستی (ریاست کے مخالف) مجرموں نے جسمانی، جنسی، جذباتی اور زبانی تشدد کی۔ جب شاہین 5 سال کی تھیں تو اس کے بھائی نے اسکو ایک لڑکی کے ساتھ پکڑا، اور والدہ کو بتایا۔ شاہین کی ماں نے اسکے عضو کو استری سے جلانے کی دھمکی دی۔ جب وہ چھ سات سال کی عمر کی تھی، تو اس کے بہترین دوست کے والد نے اس کے ساتھ (جنسی) زیادتی کی، اور یہ چھیڑ چھاڑ جوانی تک جاری رہی۔ جس دوست کے والد نے جب شاہین کے ساتھ زیادتی کی، اس نے شاہین کو کہا کہ اسے (شاہین کو) شرم آنی چاہیئے، کیونکہ شاہین نے اس کے والد کو ایسا کرنے کے لئے اکسایا ہو گا۔ زیادتی کا یہ سلسلہ تب رکا جب شاہین نے اپنی ماں کو اس بارے میں بتایا، جنہوں نے پھر اس مجرم کو شاہین کے قریب نہ آنے دیا۔

جب شاہین 12 سال کی ہوئیں تو اس کی نقل و حرکت کی کڑی نگرانی کی گئی۔ شاہین کا خاندان بہت مذہبی اور قدامت پسند تھا۔ شاہین نے بتایا کہ ساری زندگی اس کو ایک انکھی معاشرتی دباؤ محسوس ہوا، جس کی وجہ سے وہ اپنے مرضی کے مطابق زندگی نہ گزار سکیں۔ اس کے پہلے شوہر نے روزانہ کے بنیاد پر اس کے ساتھ جسمانی، جذباتی اور جنسی طور پر اذیت اور نقصان پہنچایا۔ شاہین اس وقت 20 برس کی تھیں۔ ان تجربات کو یاد کرنا اتنا تکلیف دہ عمل تھا کہ شاہین نے صاف طور پر مزید تفصیل میں جانے سے انکار کیا، اور بتایا کہ مجھ پر جنسی، جسمانی اور جذباتی طور پر تشدد کیا گیا۔ بہر حال، شاہین نے دو ٹوک انداز میں تردید کی کہ اس پر تشدد اس کی جنسی شناخت کی وجہ سے نہیں کیا گیا۔ اس کا شوہر ہی ایک اذیت پسند آدمی تھا۔

ج ولائی 2011 میں، اسلام آباد کے امریکی سفارتخانے میں ایل جی بی ٹی کا فخری جشن منعقد کیا گیا۔ جس کو قونصلخانے کے ویب سائٹ کی پریس ریلیز میں مشتہر کیا گیا[35]۔ جسکی اشاعت پہ پاکستان کے مذہبی قدامت پسندوں اور سیاسی جماعتوں کی طرف سے شور برپا ہوا۔ شاہین کا نام مہمانوں کی فہرست میں شامل تھا۔ اس لئے یہ پریس ریلیز کرنے پر شاہین کو مذہبی جماعتوں کے مظاہرین کی طرف سے عصمت دری اور تشدد کا خدشہ تھا۔ شاہین کو طویل معیاد کے پاکستان کی صورتحال غیر مستحکم لگی، اور وہ بیرون ملک رہنا چاہتی ہیں جہاں بغیر کسی فکر کے وہ اپنی ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر باہر پھر سکیں۔ اگرچہ اس کے دوست، بھائی اور ان کی بیویاں اسکے حامی ہیں، مگر وہ اپنی زندگی اپنے طریقے سے گزارنا چاہتی ہیں۔ جیسے وہ ہمیشہ چاہتی تھیں۔۔۔ آزادانہ طور پر، بغیر کسی سے چھپائے ہوئے۔

---

[34]شاہین، ہم جنس پسند خاتون، 0پاکستان، کراچی، 2011

[35]"ہم جنس پسند افراد کے حقوق کے حوالے سے ایک تقریب منعقد کرنے کی وجہ سے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے پر" ثقافتی دہشتگردی" کے الزامات لگے، بروز جمعہ 4 جولائی، 2011، http://www.fridae.asia/newsfeatures/2011/07/04/10982.us-embassy-inislamabad-accused-of-cultural-terrorism-for-hosting-gay-rightsevent.

پیٹر سمتھ، "پاکستانی، امریکی سفارت خانے کے ہم جنس پسند افراد کے حقوق کے پارٹی کو، "ثقافتی دہشتگردی" قرار دیتے ہیں" لائف سائٹ نیوز، 26 جولائی 2011۔ http://www.lifesitenews.com/news/pakistanisdenounceus-embassys-gay-rights-party-as-cultural-terrorism/.

تشدد کے اثرات اور اس سے نمٹنے کے طریقے

قاعدوں کی سخت نگرانی کو سامنے رکھتے ہوئے ایسی صلاحیت پیدا کرنا کہ جس کی مدد سے ایک انسان مروج جنسی اقدار کے منافی جنسی رویئے کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا تصور کرتا ہے، ایسے حالات میں ہمارے رسپانڈنٹس (انٹرویو دینے والے افراد) کے لئے جنسی تشخص یا جنسی اظہار کے مواقع بہت محدود ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انٹرویو دینے والے افراد نے شدید ذہنی دباؤ، پست حوصلوں اور ملک چھوڑنے جیسے خواہشات کا اظہار کیا۔

انٹرویو دینے والے افراد (خاص طور پر، ہم جنس پسند خواتین، دو جنسی خواتین، عمومی رائج جنسی اقدار کے منافی خواہشات رکھنے والے جیسے کہ مردانہ جسامت رکھنے والے خواتین، اور ٹرانسجنڈر مرد) نے بتایا کہ ان کے عمومی رائج جنسی اقدار کے منافی جنسی اظہار اور رویئوں پر ان کے خاندان والوں کا معمول کے مطابق نگرانی کرنے کی وجہ سے وہ شدید ذہنی، جسمانی اور جذباتی تکالیف کا شکار رہے۔ اپنے ماں باپ کے خاندان میں نظر انداز ہونے والے افراد نے بھی اوپر بتائے گئے اثرات (ذہنی، جسمانی اور جذباتی تکالیف) کا اظہار کیا۔

انٹرویو دینے والے بالغ افراد نے جب اپنے ساتھ ہونے والے زنا بالجبر کے واقعات کے متعلق اپنے خاندان کو بتایا تو انکو اپنے خاندان سے کوئی حمایت یا مدد نہیں ملی، بلکہ ان (جنسی تشدد کا نشانہ بننے والے افراد) کو خود ہی اپنے صدمے سے نمٹنا پڑا۔ انٹرویو دینے والے کئی افراد نے بتایا کہ انہوں نے اپنے صدمے کو (اپنے آپ کو الزام دے کر، اپنی جنسی تشخص کو قصوروار ٹھہرا کر اور یا غیر مروج جنسی اقدار کو وجہ بنا کر) اپنایا / قبول کیا۔

زیادتی یا تشدد سے نمٹنے کے مختلف طریقے استعمال کئے گئے۔ عمبر نامی خواجہ سرا نے (پولیس اور اجنبی افراد کے ہاتھوں) اپنے ساتھ ہونے والے جنسی اور جسمانی زیادتیوں کا بتایا تو وہ ساتھ ہنسنے لگیں۔ عمبر کا ایسے سنگین واقعات کو بتاتے ہوئے ہنسنے نے ہمیں اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور کیا کہ تشدد کا معمول کے مطابق بنانے کا عمل (تشدد کو کم اہمیت دینا، نظر انداز کرنا اور یا قبول کرنا) اس سے نمٹنے کا ایک طریقہ تھا۔ عمبر نے مزید بتایا کہ ایک خواجہ سرا کے لئے تشدد، ہراساں ہونا اور کھلی تذلیل "اس کے کام کا حصہ ہے"۔[36]

لاہور سے تعلق رکھنے والی ایک دو جنسی خاتون فوزیہ، جنہوں نے عام پبلک مقامات میں ہاتھ لگانے جیسے مسائل کا سامنا کیا ہوا ہے، نے بتایا "یقیناً میرے ناچاہتے ہوئے جب لوگ مجھے ہاتھ لگاتے (یا چھوتے) تو مجھے بہت ناگوار گزرتا اور یہ میرے لئے بہت پریشانی کی بات تھی۔ سو میں مڑی اور اس شخص کو مارا، بہت سے لوگ اکٹھے ہوئے۔۔۔ ایسا کئی دفعہ ہوا۔"[37]

انٹرویو دینے والے زیادہ تر افراد مشکلات (ناموافق حالات) کے باوجود پاکستان میں اپنی زندگی بنانے (بہتر کرنے) کے لئے کوشاں تھے۔

ایک دو جنسی خاتون (غزالہ) جنہوں نے اپنے خاندان کے افراد کے ہاتھوں جسمانی تشدد اور بچپن میں جنسی تشدد جیسے مظالم کا سامنا کیا، وہ بتاتی ہیں کہ جس طرح اس کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا وہ اور لوگوں کو ایسے تشدد سے بچانے کے لئے پرعزم تھیں۔ "میرے کزن (چچازاد/ماموں زاد) بھی کچھ ایسے مسائل کا سامنا کر رہے تھے۔۔۔ میں ان کے ساتھ بیٹھی اور تمام چیزیں ان کو وضاحت سے بتائیں۔۔۔ مزید بتایا کہ اگر انکو تھوڑی سی بھی کوئی جنسی حرکت کا اشارہ ملتا ہے تو وہ مجھے فوراً بتائیں۔ تب ایک کزن نے

---

[36] عمبر، خواجہ سرا، O پاکستان، لاہور، 2011

[37] فوزیہ، دو جنسی خاتون، O پاکستان، لاہور، 2011

مجھے بتایا کہ اسکا سوتیلا باپ اس سے ذبردستی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تو میں (غزالہ) اپنے کزن کے لئے خاندان میں لڑی۔"[38]

ہمیں انٹرویو دینے والے کچھ افراد پاکستان چھوڑنے کے خواہاں تھے۔ مریم[39] اپنا ملک چھوڑ کر ایسی جگہ جانا چاہتیں ہیں جہاں وہ "خود اپنی شناخت ہوں"[40]

شاہین نے بتایا کہ باہر ملک سفر کے دوران اس نے اپنے ساتھی کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور اس کے بالوں کے ساتھ کھیل رہیں تھیں، "وہاں ایسا کرنا بلکل عام اور ٹھیک تھا۔ مجھے اندازہ ہے کہ ہر جگہ ایسا کرنا ٹھیک نہیں سمجھا جاتا۔ مگر تمھیں پتا ہے کہ یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ میں یہ چاہتی ہوں۔"[41]

حقیقت میں انٹرویو دینے والے زیادہ تر افراد کے پاس، تشدد اور امتیازی برتاؤ کے ماحول سے نجات کے غرض سے، ملک سے باہر جانے کا اختیار یا مواقع نہیں تھے۔ زیادہ تر افراد مشکلات (ناموافق حالات) کے باوجود پاکستان میں اپنی زندگی بنانے (بہتر کرنے) کے لئے کوشاں تھے۔

ایل بی ٹی افراد پر اثر انداز ہونے والے قوانین

جو کوئی شخص کسی مرد، عورت یا جانور سے ارادتاً شہوانی اختلاط خلاف وضع فطری کرے، اسے عمر قید یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی، جس کی میعاد کم سے کم دو سال اور زیادہ سے زیادہ دس برس ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہے۔[42]

مجموعہ تعزیرات پاکستان کا دفعہ 377 (جرم خلاف وضع فطری)

"شہوانی اختلاط خلاف وضع فطری" کو جرم قرار دیتی ہے، جس کی ریاست، جانوروں کے ساتھ اور براستہ مقعد جنسی مباشرت / ملاپ، کے طور پر تشریح کرتی ہے۔ یہ قانون برطانوی نو آبادیاتی دور میں بنائی گئی۔ بھارت اور بنگلہ دیش کی طرح سلطنتِ برطانیہ کے دوسرے کالونیوں میں بھی ایسے قوانین بنائیں گئیں۔"

جب تک گھر کے ماحول اس تبدیلی کے لئے تیار نہ ہوں، تب تک کوئی بھی قانونی اصلاحات بے سود ہیں

برطانوی کالونی بننے والے دوسرے ممالک کی طرح پاکستان میں بھی دفعہ 377 کبھی بھی دگر جنسی افراد (ہیٹروسیکشول) کے خلاف استعمال نہیں کیا گیا۔ اور غیر متناسب طور پر صرف ہم جنس پسند افراد کے خلاف استعمال کیا گیا۔ ایک مشہور واقعے میں، شاہزینہ طارق اور شمائیل راج (ایک ٹرانسجنڈر مرد اور سسجنڈر عورت جنھوں نے آپس میں شادی کرلی تھی) کے خلاف عدالت نے اسی قانون کو استعمال میں لانے کی کوشش کی۔[43] کیونکہ دفعہ 377 میں اندام کے دخول کے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے، تاہم، عدالت کو لگائیے گئے الزامات کو واپس لینا پڑا۔ بہر کیف، یہ دفعہ ہم جنس پسندوں کے خلاف بھی شاذونادر ہی استعال کیا گیا کیونکہ اس نوعیت کے مقدمے عدالتوں میں کم ہی پہنچتے ہیں۔ مگر یہ ایل جی بی ٹی افراد کے زندگیوں میں ہمیشہ رہنے والا ایک نظریاتی اور جسمانی نقصان کا خوف ہے۔ خاص طور پر

[38] غزالہ، دو جنسی خاتون، 0 پاکستان، لاہور، 2011

[39] مریم، ہم جنس پسند خاتون، 0 پاکستان، لاہور، 2011

[40] جہاں اپنی مرضی سے، اپنی جنسی شناخت کے ساتھ آزاد زندگی بسر کر سکیں

[41] شاہین، ہم جنس پسند خاتون، 0 پاکستان، کراچی، 2011

[42] دفعہ 377, تعزیرات پاکستان، http://www.pakistani.org/pakistan/legislation/1860/actXLVof1860.html

[43] سارا سہیل، پاکستان میں جنسی شناخت کی طبی-قانونی عمومی تصور کی پولیسنگ: ایک کیس سٹڈی۔ غیر شائع شدہ

ان افراد کے لئے جو سڑکوں اور گلیوں سے کماتے ہیں، جہاں یہ (دفعہ 377) پولیس جنسی کارکنوں اور بھیک مانگنے والوں کے خلاف (چاہیں وہ ہم جنس پسند ہوں یا پھر خواجہ سرا) ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔

قوانین اور قانونی اداروں کے ذریعے ریاست جنسِ مخالف کی طرف راغب کرنے کے اقدار اور جنسیت کو ایک ضابطہ اخلاق میں لانے کی کوشش کرتی ہے، جو کہ سماجی اقدار، روایات اور ثقافتی ضابطہ اعمال کو قانونی حیثیت دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے ہم جنس پسند تعلقات اور عمومی رائج جنسی اقدار کے مخالف افراد کو بدنام اور ان کو معاشرے کے مرکزی دھارے سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے (ایک اضافی حیثیت دے دینا جہاں معاشرہ کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی)۔

موجودہ قوانین میں برطانوی نو آبادیاتی قانون سازی شامل ہے جسکو پاکستان نے بڑے پیمانے پر مجموعہ ضابطہ تعزیرات پاکستان کا حصہ بنایا۔ دفعہ 377 کے علاوہ، دفعہ 294 جو کہ "فحش افعال اور گیت" پر ضابط مقرر کرتا ہے، اور دفعہ 295 (توہین رسالت و مذہب کا قانون)۔ یہ دونوں قوانین ایل بی ٹی افراد کے کمزوری کا سبب بنتی ہیں اور پولیس اسکو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ دفعہ 295 مذہب کے نام پر ایل جی بی ٹی کمیونٹی کے خلاف تشدد کا موقع فراہم کرتی ہیں (مثلاً تحفظ کے کسی رکن کا انفرادی حملہ یالا قانونی ہجوم کا تشدد)۔ 1980 کے دہائی میں ضیاء الحق کی صدارت میں پاکستان میں اسلامی نظام کی تشکیل کے لئے ایک منظم تحریک چلائی گئی اور امتیازی نو آبادیاتی قوانین کے ساتھ ساتھ مزید فوجداری کے حدود بھی متعارف کرائے گئے۔[44] مسودہ حدود کے دفعات میں زنا بالجبر کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہ کی لازمی شرط رکھی گئی تھی۔ گواہوں کے بغیر زنا بالجبر کے شکار ہونے والے کو ناجائز تعلقات رکھنے کی پاداش میں جیل کاٹنے

[44] http://www.pakistani.org/pakistan/legislation/hudood.html

کی سزا سنائی جاتی۔[45] 2006 میں، مسودہ حدود میں ترامیم کی گئیں (مندرجہ ذیل دیکھیں 'مسودہ تحفظ خواتین')۔

یہ تمام قوانین مذہبی بیانات کو جائز قرار دینے میں مدد کرتی ہیں تاکہ ریاستِ پاکستان کے غلط اور امتیازی برتاؤ کو منصفانہ ثابت کیا جا سکے۔ **قرارداد مقاصد**[46] اور آئین میں **دفعہ 227 کی شمولیت**[47] کے ذریعے بھی اس کی مزید عکس بندی کی گئی ہے۔ آئین کے دفعہ 227 شرط باندھتی ہے کہ ملک کے تمام قوانین قرآن اور سنت (محمد ﷺ کے ضابطہ اعمال) کے عین مطابق ہوں۔

2006 میں **خواتین کے تحفظ بل** کے ذریعے مسودہ حدود میں کئی طرح سے ترامیم کی گئیں۔ سب سے پہلے، اس بل کے ذریعے زنا بالجبر کے حد (زنا بالجبر کو حد کا جرم قرار دے کر سب سے بڑی ممکنہ سزا کا مستحق بنایا جانا) کو نکال دیا گیا اور مجموعہ تعزیرات پاکستان کے دفعات میں عصمت دری کے جرم کے طور پر شامل کیا گیا۔ اس بل کی دوسری اہم بات یہ ہے کہ زنا بل

[45] زنا کا جرم (حدود کے قانون کا نفاذ) حدود آرڈیننس، 1979.
http://www.pakistani.org/pakistan/legislation/zia_po_1979/ord7_1979.html
جس کو 12 جنوری 2013 کو دوبارہ حاصل کیا گیا۔ خواتین کے حفاظت کا قانون (فوجداری کے قانون کی ترمیم) 2006

[46] آئین سے منسلک، قراردادِ مقاصد شروع ہوتی ہیں، "تمام کائنات پر حاکمیت صرف اللہ رب العزت کی ہے، اور جو اختیار اسکے عوام کے ذریعے اللہ نے ریاست پاکستان کے سپرد کیا ہے، مقررہ حدود میں رہتے ہوئے اس اختیار کا استعمال ایک مقدس امانت ہے،" جس کا مقصد ہے کہ قرارداد مقاصد اللہ کو پاکستان کا حاکم قرار دیتا ہے۔
http://www.pakistani.org/pakistan/constitution/annex_objres.html

[47] دفعہ 277 (1)، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے مطابق، "تمام موجودہ قوانین کو قرآن پاک و سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا، جن کا اس حصے میں بطور احکام حوالہ دیا گیا ہے، اور ایسا کوئی قانون وضع نہیں کیا جائے گا جو مذکورہ احکام کے منافی ہو۔
http://www.pakistani.org/pakistan/constitution/part9.html

جبر کے متعلق کسی بھی شکایت کو زنا/ حرامکاری میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا (اس صورت میں جب زنا بالجبر ثابت نہ ہو سکے جیسے کہ مسودہ حدود میں تھا)۔ سوم یہ کہ، کئی طرح کے دوسرے جرائم جیسے کہ عورت کو شادی کے لئے مائل کرنا یا اسکو نا بل جبر یا پھر جسم فروشی کے غرض سے اغواء یا زبردستی اٹھالینا، یا پھر کسی بھی دوسرے مقصد کے حصول کے لئے اغواء کرنا یا زبردستی اٹھالینا مجموعہ تعزیرات پاکستان میں شامل کر دیئے گئے۔ ان تمام اصلاحات سے عدلیہ کو اس نوعیت کے تمام مقدموں کو اسلامی قوانین کے بجائے فوجداری قوانین کے تحت دیکھنے اور حل کریں میں آزادی ملی۔

خواتین کو کام کی جگہ پر ہراساں کرنے کے خلاف ایکٹ پر 2010 میں دستخط کئے گئے اور اس ایکٹ کو ایک قانون کی شکل ملی۔ اس قانون سازی نے ہراساں ہو جانے کے خلاف شکایات کی درج کرنے کا طریقہ کار وضع کیا۔ جنسی صف بندی، مختلف جنسی اظہار یا شناخت رکھنے والے افراد کا کام کہ جگہ پر ہراساں ہو جانے کے درپیش مسلے کے حوالے سے اس طریقہ کار کو نہیں آزمایا گیا۔ ایسا کرنے سے عین ممکن ہے کہ وہ افراد جو عمومی رائج جنسی اقدار کے منافی سوچ رکھتے ہیں اور پہلے سے ہی قانون و سماجی طور پر خطرے سے دوچار ہیں، انکو اور زیادہ الزامات اور ایذا دہی کا سامنا کرنا پڑے۔

کیونکہ ریاست ہر پہلو سے ایل بی ٹی افراد کے حقوق کو تحفظ فراہم کرنے میں ناکام ہوئی ہے۔ ایسے میں خاندان اور گھر کا ماحول واحد ایسی جگہ ہیں جدھر ایل بی ٹی افراد ضرورت کے وقت مدد کے لئے دیکھتے ہیں۔ تاہم، گھر کے ماحول اور خاندانی نظام غیر منظم ہیں اور اکثر فرد کے اختیار پر مکمل طور پر مسلط ہوتی ہیں۔ کوئی بھی ایل بی ٹی دوست ریاستی پناہ گاہیں نہیں ہیں جو کہ برے حالات میں انکی مدد کر سکیں خاص طور پر جب (ایل بی ٹی افراد کو) اپنے گھر سے نکال دیئے جانے کا خطرہ ہو۔

تجاویز / سفارشات

ہمارے انٹرویوز سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ پاکستان میں ایل بی ٹی افراد بہت سے عوامل پر منحصر ایک پیچیدہ صورت حال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حکومت پاکستان کوئی مثبت اور حفاظتی قوانین فراہم نہیں کرتی، اور ہمیں انٹرویو دینے والے افراد اپنے حال اور مستقبل میں ریاستی اداروں کو حمایتی کے طور پر نہیں دیکھ رہیں۔ اگرچہ کہ انٹرویو دینے والے کچھ افراد سمجھتے ہیں کہ ایل بی ٹی افراد کے حفاظت کے کچھ قوانین ہونے چاہیے، مگر کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ریاست ان کی مدد کے لئے کچھ بھی نہیں کرے گی۔

بہت سے ممالک اور بہت سی تحریکوں میں قانون سازی کے اداروں سے نئے قوانین بنانے کی اپیل، مثبت تبدیلی لانے کے لئے پہلا قدم ہے۔ تاہم پاکستان میں ایسا ہونا لازمی نہیں اور حقیقت میں نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ ایل جی بی ٹی گروہوں اور مختلف طبقے و علاقوں کے ایل جی بی ٹی افراد کے درمیان بہت کم اتحاد نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایل جی بی ٹی حقوق کی حفاظت کے لئے کوئی مظبوط تحریک نہیں ہیں، اور ایل جی بی ٹی کے حقوق یا ان پہ شدید ردعمل کا مقابلہ کرنے کے لئے لوگوں کو اکھٹا ہو کر عوامی سطح پر ایسے موضوعات پر بحث کرنے کے لئے کوئی مظبوط بنیاد نہیں ہیں۔ ہم جنس پسند اور دو جنسی خواتین بھی دور دور بکھرے ہوئے ہیں، اور اکثر ایک دوسرے سے چھپتے ہیں۔

خواجہ سرا کے حقوق کے لئے کام کرنے والے کارکنوں کی طرف سے آعلیٰ عدلیہ کو دیئے گئے درخواست پر تعاون ملی، جس کی وجہ سے خواجہ سرا کے حقوق کی حصول میں پیش رفت ہوئی۔ تاہم، جن خواجہ سراؤں سے ہم نے بات کی انہوں نے سختی سے سفارش کی کہ پاکستان میں خواجہ سراؤں کو امتیازی سلوک اور تشدد کے خلوف تحفظ فراہم کرنے کے لئے حکومت کو قانون سازی کے حوالے سے اقدامات اٹھانے چاہئے، تا کہ ان کو مکمل انسانی حقوق ملے جن کے وہ حقدار ہیں۔

ہم جنس پسند یا دو جنسی خواتین کے حوالے سے عدالتوں میں کوئی مقدمہ نہیں لگایا گیا، تو قانونی طور پر اگر بولا جائے تو ہم جنس پسند اور دو جنسی خواتین کی حقوق کو اب تک عدالتوں میں نہیں آزمایا گیا۔ وہ اب تک عدالت یا مقننہ کی سرکاری نوٹس / علم میں نہیں ہیں۔

انسانی حقوق اور خواتین کے حقوق پر کام کرنے والے گروہوں کے لئے ہماری پہلی سفارش یہ ہے کہ وہ مقامی تحریکوں کو ایسا تعاون فراہم کریں جن کی وہاں ضرورت ہو۔ کمیونٹی کے مختلف گروہوں (جو ملا کے ایل جی بی ٹی کمیونٹی بناتے ہیں) کے لئے اس تعاون کی معنی مختلف چیزیں ہوں گی، جس کا مطلب ہے کہ مختلف گروہوں کی ضرورتوں کو سمجھنے کے لئے الگ الگ تحقیق کی ضرورت پڑے گی۔ جنسی مسائل پر کام کرنے والی سماجی تنظیمیں کو ایسے لوگوں / اداروں سے تعاون کی ضرورت ہے جو ایل بی ٹی سے منسلک مسائل پر عبور رکھتے ہوں۔ اس طرح کی مدد فراہم کرنے سے ان تنظیموں کی طرف سے ایل بی ٹی حقوق کے تحریکوں کو ملنے والی حمایت دیرپا ثابت ہوگی۔

متعلقہ بین الاقوامی انسانی حقوق کی تنظیموں اور ڈونر ایجنسیوں (جو مالی تعاون کرتی ہیں) کے لئے ہماری دوسری تجویز ہے کہ وہ حقوق کے حصول اور مسائل کے حل کے لئے ایل بی ٹی افراد کو وسائل کی فراہمی، مختلف فورمز تک پہنچ، اور کمیونٹی کو یکجا کرنے میں اپنا کردار ادا کر کے مدد فراہم کرے۔ ان فورمز کا مقصد ایل بی ٹی تحریکوں کی بنیادی سطحوں پر فعالیت کو مظبوط کرنا ہو، تاکہ کمیونٹی کے افراد اکھٹا ہو کر اپنے لئے خود فیصلہ کریں کہ ان کے اگلے اقدام کیا ہونگے۔

جسمانی اور جنسی تشدد کی دئے گئے سطحوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے، ہماری تیسری تجویز یہ ہے کہ، ایل بی ٹی اور ہم جنس پسند مردوں کے گروہ ہم جنس پسند عورتوں اور اشخاص کے تنظیموں سے تعلق یا رابطہ قائم کر کے کمیونٹی کے افراد کے لئے (جو تشدد کا سامنا کر رہے ہوں) فوری رابطے کے ذرائع اور محفوظ گھر (پناہ گاہ) قائم کریں۔

ہماری چوتھی تجویز ہے کہ عورتوں کے شیلٹرز میں عورتوں کو تعلیم اور تربیت فراہم کی جائے تاکہ ان کو ہم جنس پسند اور دو جنسی خواتین کے ضروریات کے متعلق حِساس بنایا جائے۔ ہم جنس پسند اور دو جنسی خواتین کی ضروریات کے حوالے سے شیلٹر کے انتظامیہ اور وہاں مقیم افراد میں زیادہ سے زیادہ برداشت پیدا کیا جا سکے۔ مزید یہ کہ، خواتین اور انسانی حقوق پر کام کرنے والے تنظیمیں عام طور پر ایل بی ٹی افراد کو درپیش مسائل سے باخبر ہوں۔ اور اپنے آپ کو عمومی رائج جنسی اقدار کے مخالف افراد کو پیش آنے والے مسائل اور ان کی خواہشات سے آگاہ کرے۔

آخر میں، ہم سمجھتے ہیں کہ پاکستانی معاشرے میں دیرپا تبدیلی خود پاکستانی ہی لا سکتے ہیں، اور ہمارے تناظر میں، اس کا مطلب خاندان اقدار اور سوچ میں تبدیلی کا آنا ہے۔ کوئی قانونی اصلاحات اس وقت تک مفید نہیں ہو سکتے جب تک خاندان کا ادارہ تبدیلی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ خاندان کے ذریعے ہی بڑے پیمانے پہ معاشرے ایل بی ٹی افراد کی ضروریات کے بارے میں حِساس کیا جا سکتا ہے۔ ہم پاکستانی ایل بی ٹی کے حقوق پر کام کرنے والے کارکنوں، انسانی حقوق کے محافظوں اور اتحادیوں کو تجویز دیتے ہیں کہ وہ خاندانوں کے ساتھ کام کرنے والے تنظیموں سے طویل الامیعاد رابطہ قائم کرے۔ ان تنظیوں اور ان سے مستفید ہونے والے خاندانوں (جن کے ساتھ وہ کام کرتے ہیں) کو آہستہ آہستہ حِساس کریں- خاندانی ڈھانچے میں حائل ہو کر قیادت فراہم کریں، تاکہ خاندان کی طرف سے ایل بی ٹی افراد کے ساتھ ہونے والے سلوک میں تبدیلی لائی جا سکے۔

ضمیمہ الف: اصطلاحات کی لغت

چیلہ: گرو کے شاگرد

ڈیرہ: گرو کا گھر جہاں پر اس کے تمام یا زیادہ تر شاگرد / چیلے اسکے ساتھ رہتے ہیں

وسیع خاندان: میاں بیوی بچوں کے علاوہ قریبی خونی رشتہ داروں پر مشتمل خاندان

گرو: خواجہ سرا خاندان کا سربراہ۔ اس کے نیچے تمام افراد (خواجہ سرا) اس کے چیلے ہوتے ہیں، جن کو بیٹیاں بھی کہا جاتا ہے۔

مشترکہ خاندانی نظام: گھر جہاں پر خاندان کے مختلف / کئیں نسلیں رہ رہی ہوں

خواجہ سرا: ایک ٹرانسجنڈر فرد جو کہ جسمانی طور پر یا تو مرد پیدا ہوا ہو، یا بعض اوقات دو جنسی / بین صِنفی ہو۔ مگر اپنی شناخت عورت کے طور پر کرتے ہیں یا پھر جنس مونث کے خصلت رکھتا ہو، اور خواجہ سرا کے کمیونٹی میں شمولیت اختیار کرے۔ خواجہ سرا (جن کو ہیجڑا بھی کہا جاتا ہے) چار سو سال تک جنوبی ایشیاء کے معاشرے کا حصہ رہے ہیں۔ پاکستان میں عام طور پر دو طرح کے خواجہ سرا ہیں۔ ایک وہ جو آختہ (castration) کرنے کے عمل سے گزریں ہو، اور دوسرے وہ جو اس عمل سے نہیں گزارے گئے۔ آخر الاذکر اپنے آپ کو زنانہ کہتے ہیں۔

ٹولی: دعاؤں اور رحمتوں کے عوض پیسے مانگنا۔ خواجہ سرا کمیونٹی کی روایتی سرگرمیوں میں سے ایک سرگرمی (پیسے مانگنا)۔